نکہتِ رائیگاں

(شعرِ منثور اور انشاءِ لطیف
کے دو درجن سے زائد طبعزاد
اور ترجمہ شدہ پارہ ہائے ادب)

از خامہ:-
م حسن لطیفی (صحافی)



عنوانیہ

کہکشان ریویرا کی ایک شعاعِ شاہوار

میدام رینی ڈیوس

معاونِ ادارۂ روزنامہ "لاپتی نسوا" نیس (جنوبی فرانس)

(وہ جس کی بے پناہ نوازی، حوصلہ افزائی، ملاطفت اور میزبانی کی یاد میرے دل سے سیر ریویرا کی افسانوی جاذبیت کبھی محو نہیں کرسکتی ——— !)

"شمعِ من یافتہ ضیا از وے
مسِ من گشتہ کیمیا از وے"

کے نام

لطیفی

لاہور،
۲۰ ردسمبر ۱۹۳۵ء

۱۔ [illegible] ؎ یہ شعر امیر خسرو کا ہے۔

ترتیب نُما

نمبر	عنوان	صفحہ
۱	بالُو کی چاندنی	۳
۲	اجنبیت	۵
۳	انسانی تعلقات	۶
۴	وطن کے نام پہ	۷
۵	جوانمرد رُوحیں	۹
۶	آزادیٔ نسواں	۱۱
۷	غم	۱۳
۸	راز و نیاز	۱۴
۹	یاسمین کے عشقیہ خطوط	۱۵
۱۰	یاسمین کی اصُول شکنی	۱۹
۱۱	شمع خلوت کا ضیاپوش	۲۴
۱۲	شاعرہ سے	۲۷

نُمرہ	عُنوان	صفحہ
۱۳	اے دوست ——!	۳۰
۱۴	زخمی دیوتا	۳۴
۱۵	مصوّری	۳۶
۱۶	خود آفرینی	۳۸
۱۷	زیست	۴۰
۱۸	وارفتگی	۴۱
۱۹	خودی	۴۳
۲۰	ایک مکالمہ	۴۴
۲۱	جنگل کا خواب نُما خیال	۴۷
۲۲	پام کے سائے تلے	۴۹
۲۳	تابستان کی خواب گُوں رات	۵۴
۲۴	کمسن بہاریں	۵۶
۲۵	ڈھونڈنے والی کی پُکار	۵۸
۲۶	سوادِ شب	۶۱
۲۷	دیلم بروزہ	۶۲

بالو کی چاندنی

انگلستان کے جوانمرگ شاعر رupert بروک کے ایک رومانی مکتوب کا اقتباس جو فجی[1] (نمبر ۴) جزیرے کی سیرگاہ سے ایک خاتون کے نام لکھا گیا تھا:—

"بیٹھے بیٹھے جی اُکتا گیا ہے، چاہتا ہوں کھُلی فضا میں گھومنے کیلئے باہر جاؤں، جہاں جنگلی پگڈنڈیاں چاند کی کچھ اُجلی کچھ بھوری چادر اوڑھ کر لیٹ رہی ہیں! فجی کے ٹیلوں میں مہتاب کا جوبن یہ گیتی فانی کیا دو عالم میں اپنا جواب نہیں رکھتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالو کی رنگینانی چوٹیوں کی مُسکی ہوئی سلوٹوں میں فضاؤں کے تیرنے والے ہلکے ہلکے، پھیکے پھیکے رنگ اونگھے جا رہے ہیں اور بالو کا دامن بھینی بھینی خوشبوؤں سے بسا ہوا ہے، ... یہاں اس مرتفع سطح پر ہر طرف ایسے اونچے پربتوں کا ہجوم ہے جو دیو قد میناروں کی طرح سربلند کئے ہوئے ہیں اور جن کی بوالعجبی ہیئت کی مثال دُنیا بھر میں کہیں نہیں مِل سکتی، ننھی مُنّی نُقرئی بدلیاں اور کہرے کے ہلکے پھلکے تودہ نما پولے اور دُھند کے گالے اُن بھیں بھیں کرتے ہوئے بردں کی طرح جو مامتا کی ماری بچھڑی ہوئی بھیڑ کی تلاش میں سرگرداں ہوں، وادیوں، ٹیلوں اور پہاڑوں پر آڑے ترچھے ممیاتے ہوئے دوڑتے پھرتے ہیں، خوبصورتی اور دلفریبی کے لحاظ سے اگر دُنیا کے پردے پر اس کا کوئی ہمسر ہے تو صرف جزائر سیمؤا[2] کی چاندنی کا نکھار، اس کی کیفیت اور ہی ہے ..... وہاں کی سنگوں فضا میں انسان ایسی خوشگواری محسوس کرتا ہے

[1] براعظم آسٹریلیا کے مشرق اور نیوزی لینڈ کے شمال میں بحرالکاہل کے پہلو بہ پہلو دو سو ٹاپو جو اٹلس میں جزائر فجی کے نام سے موسوم ہیں۔

[2] جزائر فجی سے ذرا شمال مشرق کی جانب ہٹ کر تین چھوٹے چھوٹے ٹاپو۔

گویا سچ مچ لطفِ بہشت اٹھا رہا ہے .... اور ....
سراپا حسن و دلبری کے کیف آلود ترشح سے شرابور ہے، ....!
ساحل سیؔنا کی کسی خنک و بارد جھونپڑی میں ایک دیہاتی چٹائی پر لیٹ جائیے، پھر حدِ نگاہ تک خرما کے اونچے اونچے نخلوں کے نیچے بچھی ہوئی ریگِ سپید ....
ایک نرم و حلیم سمندر .... اور .... برابر ایک میل کی درازی تک بحری چٹانوں کے سلسلے کی ابھری ہوئی سیاہی مائل لکیر ....
(جس پر چھٹکی ہوئی چاندنی گویا لہروں کی جبینِ ناز پر لہراتی ہوئی افشاں چُنی ہوئی!)
.... سنگلاخ زمین، جھاڑ جنگل، میدان، کھیت، بستی، ریگزار، ندی، ریت، ہر شے پر چاندنی کی صیقل، گویا شفاف اور سنہرا پانی پھرا ہوا! ....
.... مہتاب کے سیلاب کے سیلاب، ہر طرف نور کی روپہلی نورانیت کی مانند چمکنے والی چاندنی .... ایسی دبیز نہیں جو چمچہ سے نوش کی جائے .... بلکہ چپٹی پھیلی ہوئی، بسیط، بالیدہ، اور وافر .... ایسی کہ چاہو تو پنیر کی طرح اس میں سے سیم آمیز باریک طلائی تراشے چھیل سکو ....

....

سا گھنٹوں نظارہ کیجئے ———— "

نوشتہ ۲۸ رمئی ۱۹۳۵ء (غیر مطبوعہ)

---

۳ بحرالکاہل کا وہ مرکزی نقطہ جو شمالی امریکہ سے نیوزی لینڈ اور جنوبی امریکہ سے جاپان کے بین الاقوامی خطوطِ عبور کا سنگم ہے،

اجنبیت

(فرانسیسی سے براہِ راست)

پیاری ——— تم ایسی باتیں کیوں کہتی ہو..........
"میرا پیانو"........ "میرے گلاب کے پھول"..........
"تمہاری کتابیں"........ "تمہارا کتا".......... بارہا میں
تمہیں یوں گفتگو کرتے ہوئے کیوں سنتا ہوں..........
"وہ روپہلی ٹکلیاں میری اپنی ہیں، جن سے میں طرح طرح کی چیزیں
خرید کرنا چاہتی ہوں" ——— ? ....
یہی وہ شے ہے جو ہمیں ایک دوسرے سے دور کئے جا رہی ہے
.... "تیری"........ میری
.... میری.......... تیری" کا ہوش تو یگانگت
کے منافی ہے.......... اگر تم مجھے کمال پسندیدگی سے
محبت کرتی ہوتیں تو تمہیں یوں کہنا چاہئے تھا ———
"کتابیں.......... کتا.......... اور
.... ہمارے.......... گلاب کے پھول!"

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ (یکم جولائی ۱۹۳۳ء)

اِنسانی تعلّقات

(یہ کسی ٹکڑے کا ترجمہ نہیں)

مجھے حیرت ہوتی ہے ...... انسان کے تعلقات پر جو کبھی قائم ہوتے ہیں........ اور کبھی ٹوٹ جاتے ہیں!.......... میں ایک معصوم بچے کی طرح........ ڈرتا ہوں........ تعلقات سے! جو اپنی صبحِ اوّلین سے لیکر شامِ آخریں تک.......... ایسے ہی مبہم رہتے ہیں، جیسے کوئی نافہمیدہ راز..... میں متعجب ہوں.......... تعلقات پر! وہ جن پر انسان کی ساری زندگی کا انحصار ہوتا ہے.......... وہ جو چند سیکنڈوں میں یوں منقطع ہو جاتے ہیں جیسے کبھی تھے ہی نہیں..........

میں گریز کرتا ہوں.......... تعلّقات سے جو آزاد دل کو قیدی کی طرح پابہ زنجیر کر دیتے ہیں.......... جو ایک ناقابلِ برداشت بوجھ بن کر لطیف روح کی شعریت پامال کر دیتے ہیں..........

اے خدا! میں جانتا ہوں کہ میں بجائے خود تعلقات ہی کا ایک ناچیز حاصل ہوں..... مگر..... کیا میرے لئے کسی ایسے ستارے میں جگہ نہیں..... جہاں کسی کا کسی سے کوئی واسطہ نہ ہو ——— !

وطن کے نام پر

تمہارے اس وطن کے نام پر ——— جس کو رزیل
اجنبیوں نے پائے استبداد سے روند ڈالا ہے ——— اور
بے آبرو کر کے قعرِ ذلت میں گرا دیا ہے ——— تمہارے
جوانمردانہ اوصاف کے نام پر ——— ہر اُس شئے کے
نام پر جو زندگی کو درخشاں اور نامور بناتی ہے ——— یا
قربانگاہِ حرّیت پر مٹنے والوں کی خاکستر سے دیوتا پیدا کرتی ہے ———
تمہارے اُن فرزندانِ وطن کے نام پر جو فاقے کاٹ کاٹ کر بھوک
اور تشنگی کی شدت سے بیکسی کے عالم میں سسکتے رہے ———
وطن سے جلا وطن کیئے گئے ——— موت کی گھاٹ اتارے
گئے ——— خدا اور انسان کے نام پر ——— قسم
ہے اُن شہیدوں کی جن کو زندان کے تاریک تہ خانوں میں مجرموں کی
زنجیریں پہنا کر اسیر رکھا گیا ——— قسم ہے اُس سرزمین کی
جو یہ آواز سُن رہی ہے ——— اور قسم ہے اس آسمان کی
جو یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے ——— میں تمہیں دعوت دیتی

ہوں ـــــ کہ اپنی روحوں کی آرزوئے رفعت کو حُسنِ عمل کی صورت میں رُونما کرو ـــــ

اب بھی جبکہ تمہاری نگاہیں میرے دل کے ناتوان الفاظ سے دوچار ہو رہی ہیں جو ابھی تک شجاعت کے ولولے سے یُوں ہلکورے لے رہا ہے جیسے تمہارا اپنا دِل ـــــ اب بھی جبکہ آئرلینڈ کے سینے کے زخموں کی یاد سے جو تمہاری روح پر بے اختیار چھائی جا رہی ہے ـ ـ ـــ تمہاری آنکھوں کے کنارے آنسوؤں سے دُھندلے ہوئے جا رہے ہیں ـــــ اور قلب کی گہرائی سے آہیں نکل رہی ہیں ـــــ اب بھی وقت ہے ـــــ اپنا دایاں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاؤ ـــــ اور قسم کھاؤ، ـــ اپنی غیرفانی روح کی ـــــ! اُن امیدوں کی جو تمہارے دل کا آخری سہارا ہیں ـــــ کہ جب تک اس جاں بلب سرزمین کو ازسرِنو زندہ کر کے سجا نہیں لو گے، ـــــ تم اپنے ہتھیار کبھی نہیں ڈالو گے ـــــ اور اس کارزار کو یُونہی شعلہ زار بنائے رکھو گے ـــــ !"

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" (لدھیانہ) ۱۳ر مئی ۱۹۳۲ء

مطبوعہ روزنامہ "ملت" (دہلی) ۱۱ر مئی ۱۹۳۴ء

مطبوعہ مجلہ "ایشیا" (میرٹھ) اگست ۱۹۳۵ء

جوانمرد روحیں

ژان ڈارک ، فرانسیسی غازیہ جو اپنی روح میں ایک لاہوتی اور الوہی چنگاری رکھتی تھی ، ہماری اس ارض پر ان برگزیدہ اور مشرف یافتہ غریب الوطنوں میں سے ایک نووارد تھی ، جو جانِ بلب محبت اور بجھتی ہوئی روشنی کو موت اور ظلمت کے گہن سے نجات دلانے کے لئے اس خاکدانِ تیرہ کو اپنے یمنِ پا سے ممنون کرتے ہیں ،

دانتے کے الفاظ " سولو آمورسے اِسے لوچے کول فینے " (صرف لو اور ضو کی حلقہ زنی) وکٹر ایمینوئل (شاہِ اطالیہ) کی شاندار مرمریں یادگار کی ایک دیوار پر گوناگوں شیشوں کے ٹکڑوں اور بوقلموں سیپیوں ، گھونگھوں ، اور سنگریزوں کی پُرتکلف پچی کاری سے سپردِ آرائش کئے گئے ہیں ، مگر ژان دارک نے اسی حقیقت کو آگ کی اس لپٹ سے مظہرِ تزئین کر دکھایا ، جس نے چتا کی کھونٹیوں پر سینکڑوں شعلوں کے حلقہ ہائے آتشیں سے اس کے جسم پیش گیر کو جلا کر راکھ کر دیا ،

ایسی خواتین سے اقوام و ملل کی تقدیریں پلٹ سکتی ہیں، وہ ایسی اعجاز نما پریاں ہیں، جو ہمارے کرۂ ارض کو اپنے قدوم میمنت لزوم کے زیریں کناروں سے اس طرح مَس کرتی ہیں، گویا یہ ایک مختصر سی منحنی اور مدوّر سطح ہے، جس کی فراخی و وسعت کا تخمینہ و اندازہ دیدۂ وا کی ایک ہی نگاہ میں کیا جا سکتا ہے، وہ نہ صرف بنی نوع انسان کو موجودہ پستی سے رُو بہ رفعت کر سکتی ہیں، بلکہ (اگر وہ چاہیں تو) کھوئی ہوئی بہشت کو بھی واپس لے لیں، کون جانتا ہے، کہ وہ (مستقبل میں) ایسی نادیدہ دُنیائیں اور چرخ ہائے نو تخلیق نہیں کریں گی، جن کی شان و شوکت اور شکوہ و تجمل کے روبرو فردوسِ سلسبیل و تسنیم بھی شرما کے رہ جائے؟

(اقتباس از "تُوثرات")



مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" (لدھیانہ) وسط ۱۹۳۲ء

مطبوعہ جریدہ "شباب" (بمبئی) وسط ۱۹۳۵ء

آزادیٔ نسواں

ذیل کا مختصر مضمون ایک صاحبِ ذوق کرم فرما کے کمرے میں آویزاں ایک خوبصورت تصویر کی سطور پایئں (تحتِ متن) سے ماخوذ ہے، صاحب موصوف نے جس ملاطفت خاص سے اپنی عزیز تصویر بغرض استفادہ واقتباس چند لمحوں کیلئے عاریتًہ عنایت فرمائی اس کیلئے مترجم تہ دل سے ممنون ہے، تصویر مذکور (جو Bibby's Annual میں چند سال پہلے شائع ہوئی تھی) مسٹر ہنری جے سٹاک کے موقلم کی شرمندۂ نقش ہے، اگرچہ انگریزی عنوان "دی اوپن ڈور" کا ترجمہ "بابِ مفتوح" ہوسکتا تھا، مگر میں نے "آزادیٔ نسواں" کو ترجیح دی،

تصویر کی ہلکی سی جھلک یُوں دیکھ کر: ——————

ایک نیم وا دروازہ جس میں بازو اور شانے تک عُریاں ایک نوجوان عورت، سر سے رومال باندھے، ایک ہاتھ یُونہی لٹکائے دوسرا دروازے پر رکھے، اس سوچ میں

ایستادہ کہ آیا باہر قدم رکھا جائے یا نہ دراں حالیکہ امکانات
کی غیر محدود وسعتیں اس کے سامنے دلفریب پھولوں کے
انباروں اور رنگ برنگ ——— بادلوں کی شکل میں بکھری
ہوئی ہیں ——— کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اس نازنین
کا خیال جسم اور نظر ایک دوسرے سے کتنی کتنی دور ہیں،
لطیفی ——— ؟

یہ خوش نگار اور لطیف ہیئت پیکر (جو نمونۂ کمال کی حامل ہے)
ہمارے ذوق نظر کے کیلئے دنیا کے اس دروازہ پر "عہد حاضرہ کی عورت"
کی مظہر ہے، جو اَب اس کے سامنے کھول دیا گیا ہے، اب اس کا راستہ
صاف ہے، حائل ہونے والی جو رکاوٹیں بعض مشاغل اور شعبہ ہائے
مصروفیت کو اب تک گھیرے ہوئے تھیں، سب نیچے گرا دی گئی ہیں ———
"اس کی جولانگہ انتخاب کے لئے تمام دنیا اُس کے سامنے دل بکف
پڑی ہے" ——— ایک قدرتی وہم و اندیشہ کی ہلکی سی آمیزش لئے ہوئے
سچی مردانگی اور مستقل ارادے کے ساتھ ہم اُسے کھلے ہوئے دروازے
سے گزرتے ہوئے دیکھتے ہیں، خارجی دنیا میں کانٹے بھی ہیں، اور
اوراق گل بھی، پھول بھی اور ببول بھی، اور وہ فطری حلقہ ہائے ماحول
جہاں سن یا جنس کا پاس دلحاظ سجھائی نہیں دیتا، ایسی قیاس آرائی
کا کہ اس کا دل چھوٹ جائے گا، یا اس امر میں جس کا وہ عزم کرے گی،
اس کی قابلیت و اہلیت غیر کافی ثابت ہوگی، کوئی خوف نہیں ہونا چاہئے

وہاں ایک فراخ و بالیدہ دامن گنجائش منتظر ہے، جہاں اس کے دستِ معاونت کی اشد ضرورت ہے، ایک مشہور و معروف خاتون نے ابھی حال میں کہا تھا، کہ مردوں کے ذریعے دنیاداری کے انتظام سے صرف ایک چیز بدتر ہے، اور وہ خالص نسائی کارپردازی ہے، صحیح نصب العین تو یہ ہے کہ متوازن اشتراک سے دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں، یہی وہ صورت اہتمام ہے جس کو ہم اپنی زندگی میں دیکھنے کی توقع رکھتے ہیں ——— !

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" (لدھیانہ) ۱۷ر جون ۱۹۳۲ء

غم

سطح بین دُنیا جس شے کو غم سمجھتی ہے وہ اس کی تقصیرِ بینش کی وجہ سے "غم" نظر آتی ہے ——— ورنہ ——— جو شخص سعی نیک یا کارِ صالح میں معروف و منہمک ہوتا ہے اس کو اتنی فرصت و فراغت کہاں کہ وہ یادِ ماضی سے ملال آمادہ ہو اور ——— جو شخص حال و حاضر کے گزرتے ہوئے لمحے ہی میں فرض کی صحیح بجا آوری کو مقصدِ زیست اور غایتِ مقصد گردانتا ہو وہ مستقبل کی دُور و دراز بھول بھلیاں کے تفکرات سے کس طرح شکارِ الم ہو سکتا ہے؟ نہ غم غم ہے! اور نہ مسرت مسرت!! جو کچھ ہے وہ ہمارے اپنے ہی داخلی تاثر کا عکس ...... اسی کا سایہ ...... اسی کا پرتو ...... !

نوشتہ (مارچ ۱۹۳۰ء) (غیر مطبوعہ)

رازونیاز

(فرانسیسی سے براہِ راست)

سارے دن میں تمہارے خیال میں ڈوبی رہتی ہوں" ——— خُوب ——— کیا تم ان باتوں سے اپنی محبت جتانا چاہتی ہو؟ ——— لیکن ——— تمہیں مجھ سے اتنا پیار نہیں جس قدر پیار کئے جانے سے! ——— تم مجھے کہتی ہو ——— "میری اشکبار آنکھیں تمہیں نہیں بھُول سکتیں، اور جب رات کے وقت میں اپنی مسہری پر دراز ہوتی ہوں، تو تمہارے فراق میں مجھے نیند نہیں آتی" ——— مگر ——— تمہارا دِل اتنا متالم نہیں ہوتا جس قدر محظوظ؟ .... تمہیں مَس ہونیوالے لبوں سے زیادہ لذتِ لمس کا خیال رہتا ہے ——— ! ——— آہ تمہیں کیا معلوم کہ کسی کے لئے کیسے تڑپا جاتا ہے .... لذتیں اور مسرتیں تو ہماری اپنی ہی ہوتی ہیں .... محبت آہ محبت تو شباب کی ایک احتیاج ہے .... (ایک ایسی فطری ضرورت ہے جس کے لئے (بقول ساغرؔ سیمابی) "ہر شخص بے مُزد آمادہ ملیگا، ——— جسے چاہو آواز دے لو ——— !") ...... اچھا ...... اگر ...... میں ایک بیگانہ شخص ہوتا ——— تو ——— تُم مجھے زیادہ پسند کرتیں یا کم ——— ؟

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ (یکم جولائی ۱۹۳۲ء)

یاسمین

کے عشقیہ خطوط

(۱)

س۔ک کی نکہت آگین فضا میں شباب کی رنگینیاں برسانے والی کافرہ ——— !

میں جانتا ہوں ——— کہ ——— میرے ہذیانِ محبت کی تحریریں ——— تمہارے حسین و رنگین مشاغل ——— اور ——— دلفریب و خوشنما مصروفیتوں میں ——— خواہ مخواہ مخل ہوتی ہیں ——— اور ——— خصوصاً ——— ایسی شادابی کے موسم میں ———

ع

قدم ڈگمگائے نظر بہکی بہکی

جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں (جگر)

——— مگر کیا کروں؟ ——— بیتابیٔ دل کا تقاضا ——— اور ہی کچھ ہے ——— ! آج ——— میرا خیالِ معکوس ——— گذرے ہوئے زمانے کی قہقری ——— پیمائش کرتے ہوئے ——— تمہاری اُلفت کے ——— آغاز کی یاد

دلا رہا ہے ــــ اور ــــ آج کی شام کے ساتھ پہلا
سال ــــ ہاں ــــ پہلا سال ــــ ختم ہو جائے گا،
ــــ سنتی ہو؟ ــــ کل کی صبح! ــــ پانچ فردری
کی صبح! ــــ سالگرہ کی صبح ہوگی ــــ! عشق کی پہلی
چوٹ ــــ اگر میرے سازِ جذبات ــــ کی خوابیدہ تار دل
کے لئے ــــ مضرابِ فریب تھی ــــ تو ــــ
مآلِ ترنم کے ــــ شکستہ نغموں کی ــــ سوگواری ــــ
میرے لئے ــــ طمانیت بدوش ہے ــــ آغازِ اُلفت
ــــ فریبِ جذبات سہی ــــ انجامِ محبت ــــ
تسکینِ حرماں ــــ تو ــــ ہے! لیکن میرے یہ آنسو
ــــ اِن آنسوؤں کی کہر ــــ میری آنکھوں کے
ــــ سیاہ کناروں کو ــــ اس طرح ــــ کیوں
ظلمت بار ــــ اور ــــ تاریک کر رہی ہے؟ ــــ
ــــ شاید میرا دل ــــ میرے الفاظ ــــ کی تکذیب
کر رہا ہے ــــ!

گنہگارِ محبت
"یاسمین"

(۲)

بے رُخی میں شانِ التفات سے لئے ہوئے!

اِس دلنوازی کا شکریہ کس طرح ادا کروں ـــــــ

اِس حُسنِ انتخاب کی ممنونیت کے لئے ـــــ لبِ اظہار ـــــ

کہاں سے لاؤں ـــــ اس دلداری و دلجوئی کی داد ـــــ

کِن الفاظ ـــــ میں دوں ـــــ کہ ـــــ فراموش

گاری کے لئے تم نے وہی دِل چُن لیا ـــــ جو ـــــ

تمہاری ادائے نوازش ـــــ کا محرم ہے؟ میرے مجروح دل

کے لئے ـــــ اس سے بڑھ کر اور مرہم کون سی ہوسکتی ہے

ـــــ کہ ـــــ تمہارے ناوکِ جاں بخش کی ـــــ

زخم خوردگی کا شرف ـــــ اِسی کو اور صرف ـــــ اسی کو

ـــــ حاصل ہے ـــــ! میری رُوحِ حزیں کے لئے

اس سے بڑھ کر ـــــ سرمایۂ نشاط اور کیا ہوسکتا ہے ـــــ

ـــــ کہ ـــــ مجھے ـــــ اپنی سنگدلی کا تختۂ مشق بناتے

ہوئے ـــــ تم نے ـــــ غیر کی شرکت کو گوارا نہ کیا

ـــــ! میں توہینِ وفا کا مجرم ٹھہروں گا ـــــ اگر

ـــــ ~~بلا~~ تمہارے ـــــ لا ابالیانہ انداز کی پذیرائی

سے گریز کرتے ہوئے ـــــ یہ لکھ دوں ـــــ کہ

ـــــ دورِ حاضرہ کی لڑکیاں نہ اپنے وعدہ ہائے محبت

نبھا سکتی ہیں ـــــ اور ـــــ نہ ان کو اپنے

قدر دانوں ـــــ کی ـــــ قدر ہو سکتی ہے۔ ـــــ

شاید حقیقت یہی ہو ــــ مگر ــــ تمہارے نسوانی غرورِ پندار کے آبگینے ــــ کی ــــ نزاکت محسوس کرتے ہوئے ــــ میں اس حقیقت سے بے خبر ہو کر ــــ خاموش ہی رہنا چاہتا ہوں ــــ میری دلچسپی کا سامان اسی میں ہے ــــ میری زیست کا انحصار اسی پر ہے ــــ کہ فریبِ خاص کے احسان کا ــــ منّت کش رہوں ــــ اور ــــ تمہیں دعائیں دوں ــــ!

تمہاری برہمی سے لرزاں
یاسمین

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ

(۲۸ ر اکتوبر ۱۹۳۲ء)

یاسمین کی اصول شکنی

یادش بخیر! وہ "کھویا کھویا سا اک جوان خموش" وہ جس کو ہم یاسمین[1] کے نام سے روشناس کرا چکے ہیں، فطرت کی ستم ظریفی سے تنگ آکر اپنی اس "خودی" کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گیا، جس کے "تسلسل انا" پر اسے ناز تھا، دوسرے لفظوں میں یاسمین یاسمین ہوتے ہوئے یاسمین نہ رہا، اس نے ایک ایسی "خودکشی" کی جو اسے قید حیات سے نجات نہ دلا سکی ——— !

اگر کوئی دوست اس سے مخاطب ہو کر یہ پوچھتا کہ یاسمین وہ تمہارے ہوائی قصر کیا ہوئے، تو اس کا جواب غالباً ایک لاہوری دیب کے رومان "پشیمان" کی زہرہ کے اس اظہار حال کا ہم آہنگ ہوتا جہاں وہ کہتی ہے "افسوس! وہ سب خواب رائیگاں گئے! اب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں میرے لئے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ! دنیا مجھ پر تنگ ہے! تاریک ہے اور بے کیف ہے! میرے پچھلے خیالات اب تک سلامت ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب ایک اشارہ میں درہم برہم ہو جائیں گے، میں محسوس کرتی ہوں کہیں نے کوئی چیز کھو دی ہے......"

[1] (Jasmin)

بیشک یاسمین اب اپنی نظر میں وہ یاسمین نہیں جو پہلے تھا، وہ اپنے دل کی عدالت گاہ کے سامنے اپنے آپ کو ایک ایسے سنگین مجرم کی حیثیت سے پابہ زنجیر پاتا ہے، جس پر رحم کا دروازہ بند ہو چکا ہو ——— لیکن ——— کیا خارجی شعور کے آئین کی رو سے بھی وہ قابل مواخذہ ہے —؟——— کیا اوروں کو بھی یہ حق پہنچتا ہے، کہ وہ اپنے زاویہ نگاہ سے یاسمین کے اعمال کا تجزیہ کریں؟——— نہیں یقیناً نہیں،

دنیا میں ایسے افراد بیشمار ہیں جو اپنی ذاتی غرض کے لئے اصول شکنی کرتے ہیں، لیکن ساری دنیا ایسے کتنے نوجوان پیش کر سکتی ہے، جو اپنی آرزوؤں کا خون کریں، اپنے اصولوں کا خون کریں، خود اپنا خون کریں محض اس لئے کہ ایک ایسا وعدہ ایک ایسا پیمان پورا کر دکھائیں جس کے ایفا کی نسبت ان کے دل میں یہ احساس ہو، گویا وہ ہزاروں صدیوں پہلے اسے تسلیم روح سے "الست بربکم" کے جواب "بلیٰ" میں اضطراری طور پر پیوست کر چکے ہیں، اس وقت ہمیں یاسمین کی سیرت کے اس پہلو سے سروکار ہے جو شرکت زندگی سے تعلق رکھتا ہے، یاسمین جب سمندر پار تھا تو عیش و نشاط کے بیشمار مواقع اس کو حاصل تھے، اگر وہ چاہتا تو خوب کھل کھیلتا، گلچھرے اڑاتا اور اپنے لئے ایک چھوٹی سی فردوس نقش پیدا کر لیتا جہاں لذت ہی لذت ہوتی اور جس کی خلوت گاہ تک مصیبت کی پہنچیں اور غم کی کراہیں پہنچ نہ سکتیں لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، اس کا نصب العین ہمیشہ اس کے پیش نظر رہا اس نے

اپنے ابنائے وطن کی بے راہ روی اور بے قدری پر خطِ تنسیخ پھیرتے ہوئے مراجعت کا عزم کر لیا، اگرچہ اسے پورا یقین تھا کہ مغرب کی زندگی تو زندگی موت بھی کہیں شیریں تر ہے، اس فرصت جانکنی سے جس کو مشرق والے زندگی کہتے ہیں ـــــــ!

جہاں مغرب کی سیاحت سے یاسمین کی بصیرت نے امکانات کی ایک نئی دنیا تلاش کر لی، اس کی روانیٔ طبع نے متعدد نئے نظریئے تخلیق کئے۔ شرکت زندگی کے جس نظریہ کو وہ معرض تشکیل میں لایا وہ پرواز تخئیل اور راسند لالی نزاکتوں کا ایک یادگار مرقع ہے ترتیب نظریہ سے پہلے اس نے شہاب افسانوی کی تصنیف کردہ "پرویز کی سرگذشت"، ادیب نجد ستانی کے موضوع نساشیات پر مضامین، ابتیائی ساغرستانی کے پیام لذت، مس صغرا شیمی کی نفسیاتی ڈائری، بیسویں صدی کی پوسپی آئی کے آئین اخلاقیات، مغربی مستعمرات عریانی کے نظریۂ معصیت، علامہ شہوا تانوس کی سنسنی خیز کتاب "شہوت پرستی کے جواز میں" محترمہ شام آرا بیگم کی تصنیف لطیف "سحت الثرائے شبستان"، کپتان خوش باش خاں کے شاہکار "جرم اور جنس" . . . .
. . . ڈاکٹر شولنگ کی سنسر شدہ کتاب "چن چن چانگ" وغیرہ وغیرہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اسے اپنے نظریہ کے اظہار کا کبھی موقعہ نہ مل سکا، اسی وجہ سے جب وہ یہ کہتا کہ میں نظام شادی کو مہمل سمجھتا ہوں، تو وہ معترضین کی ایک خطرناک غلط فہمی کا شکار ہو جاتا، اور بقول

ل؎ یہ سب نام تقریباً فرضی ہیں

ساغر سیمابی" لوگ نہیں جانتے کہ ـــــ" ایک دفعہ بھولے سے یاسمینؔ
نے اپنے ہفتہ وار اخبار کے کسی کالم میں" ارباب نشاط" پر چند سطور سپرد
قلم کیں تو پارس" جیسے پھکڑ چھیڑے نے یاسمینؔ کو جہاں اور بہت سی
گالیاں دیں وہاں "رنڈیوں کا وکیل" بھی ٹھہرا دیا، انسان جب ہم آہنگیٔ
فطرت پر مجبور ہوتا ہے، تو اعتدال پسند افراد اس کی نفسیاتی اور جذباتی
کیفیتوں کو آسانی سے نہیں سمجھ سکتے اور خواہ مخواہ اسے سب وشتم کا نشانہ
بناتے ہیں، یاسمینؔ بھی اسی طرح دشنام طرازی کا ہدف بنا، لیکن اس کے
ہاتھ سے صبر وتحمل کا دامن چھوٹنے نہ پایا اور وہ خاموش رہا، آخر وہ وقت
آپہنچا کہ وہی نظریہ جو یاسمینؔ کے اور نظریات کی طرح سینکڑوں راتوں
کے غور وفکر اور تجربوں کا نچوڑ تھا، بعض اہم ترین نظریوں پر قربان کر دیا
گیا، بیشک یاسمینؔ نے اصول شکنی کی، لیکن جس طرح ایک بہادر سپاہی
اپنے کسی زخمی بازو کو خود ہی اس لئے کاٹ کر پھینک دیتا ہے، کہ وہ
اس کے وار کرنے میں رکاوٹ ڈالتا ہے، اسی طرح یاسمینؔ نے بھی
اپنے ایک اصول کو دوسرے اصولوں کے لئے قربان کر دیا، یاسمینؔ اپنے
دل کی گہرائی میں اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے کہتا ہے، کہ اب مجھے
دنیا کے سامنے شرکت زندگی کا نیا نظریہ پیش کرنے کا کوئی حق نہیں لیکن
میں یاسمینؔ سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں نہیں یاسمینؔ! یوں اپنے آپ کو
سپرد یاس نہ کر، تو نے اپنی فطرت اس طرح کھوئی ہے، کہ کبھی نہ کبھی ہم
سب کے سب تیری قدر کریں گے، اس وقت ہمیں افسوس ہوگا، کہ اب

تک ہم یاسمین کے فقید المثال ایثار کو کیوں نظر انداز کرتے رہے یاسمین نے اپنے نظریہ کو مجبوراً توڑنے کا عزم تو کر لیا، ــــــ مگر جب اسے ان روحوں کا خیال آتا ہے جو ہنوز آسمانوں میں ہیں تو اُس کی زبان پر بیساختہ یہ شعر جاری ہو جاتا ہے ؎

"رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے" (۹)

بہرحال اس اصول شکنی میں جہاں اور بہت سی آرزوئیں غلطیدہ بخوں ہیں وہاں وہ پیمان محبت بھی ہے جو یاسمین اور "ن......" کے درمیاں بندھا اور ــــــ کسی کا دل بن کر ٹوٹ گیا، اگرچہ شعریت و نفاست کی یہ سوگواری یاسمین کے لئے ناقابل برداشت ہے، مگر کوئی چارہ نہیں ؎

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی،
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا
(غالب)

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ
(۲۸ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

شمعِ خلوت کا ضو پوش

(ماخوذ از موسیو پال جیرالڈی)

"تم مجھ سے پوچھتی ہو کہ میں اس غیر معمولی لمحے میں......
...... ذوقِ نظر اور تبسم کی اس مخصوص ساعتِ جمیل میں.....
......کیوں خاموش ہوں ــــــ ؟ میں تو (چپکے چپکے
اس کیف آفریں فرصت سے) لطف اٹھا رہا ہوں ــــــ !
پیاری......... تم مجھے اپنی آغوش میں کیوں نہیں لے
لیتیں......... میں منتظر ہوں کہ تم میرے ساتھ پیار
کرو......... اے کاش! تم (میرے چہرے سے)
بھانپ سکتیں، کہ آج کی شام ولولہ آرائی، مغروری، امنگ، رقت،
اور انسانیت کی کیسی کیفیتیں مجھ پر چھائی جا رہی ہیں ــــــ
لیکن نہیں ــــــ تم نہیں پہچان سکتیں!.........
شمعِ خلوت کے ضو پوش کو ذرا پیچھے سرکا دو ــــــ شاباش!
ــــــ اب ہم قدرے بہتر ہیں......... دو دلوں
کے درمیان جو گفتگو ہوتی ہے وہ تاریکی اور سائے ہی میں "سنائی

دیتی" ہے ! ——— اور ——— آنکھیں اُسی وقت اچھی طرح
دکھائی دیتی ہیں، جب دھندلکے میں گردونواح کی اشیاء، ذرا کم سجھائی
دیں ! . . . . اِس جھٹپٹے میں میراجی (خاموش) مکالمۂ
محبت کا بہت آرزو مند ہے، جانِ من ! مجھے سینے سے لگالو !
میں خواہاں ہوں کہ میری خوش نصیبی اس شخص کی خوش نصیبی ہو، جس
کو کوئی گود میں لے لے . . . . شمعِ خلوت کے ضو پوش
کو ذرا اور . . . . نیچے کر دو . . . . ش . . . .
. . . . . . ش . . . . ہمیں زیادہ شور نہیں مچانا چاہیئے . . . .
. . . . . بہتر ہے کہ ہم چُپ رہیں . . . . ہمیں کوئی حرکت
نہیں کرنا چاہیئے . . . . میرے عارض پر تمہارے ہاتھ گرم
محسوس ہوتے ہیں . . . . میں اس میں ایک خاص
لذت پاتا ہوں —— !
(غالباً اس مقام پر ہوٹل (جہاں شاعر اور اس کی محبوبہ فروکش
ہیں) کی کسی کنیز کے پاؤں کی چاپ دروازے کے نزدیک سنائی
دیتی ہے) ——— ٹھہرو ! یہ کیا ہے ؟ ——— "انہیں"
کیا چاہیئے . . . . اچھا . . . . یہ قہوہ لایا
گیا ہے ۔ ؟ . . . . خُوب اِسے وہاں رکھ دو . . . .
. . . . دیکھو . . . . جلدی کرو، اور دروازہ
بند کرتی جاؤ ! (غالباً وہ کنیز چلی جاتی ہے) . . . . . اَب کیا

کیا جائے ؟ ـــــــ کیا ہم قہوہ نوش کریں ؟ . . . .
تمہیں منظور ہے ؟ . . . . ابھی ؟ . . . .
بجا . . . . تم ـــــــ تم تو جرعہ ہائے گرم پسند کرتی
ہو . . . . کیا میں تمہیں قہوہ پینے میں مدد دوں ـــــــ ؟
ادھر . . . . مجھے پیش کرنے دو . . . . یہ قہوہ
آج بہت "تیز" ہے ! . . . . قاش نبات چاہئے ؟
. . . . صرف ایک ڈلی ؟ . . . .
کیا یہ کافی ہے ؟ . . . . کیا تم رضامند ہو کہ میں قہوہ
کا ایک ایک قطرہ ڈالوں ؟ . . . . ادھر دیکھو
. . . . وہی ہے نا تمہاری پیالی ؟ . . . . مگر
. . . . یہ . . . . اندھیرا . . . . کیسا
چھایا جا رہا ہے ؟ . . . . شمع خلوت کے ضوپوش کو بے
حجابانہ اٹھا دو . . . . ورنہ اس اندھیرے میں قطرہ
چکانی تمہیں تو محسوس نہیں ہو گی ! "

(مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ (۸ جولائی ۱۹۳۲ء)

مطبوعہ روزنامہ "ویربھارت" لاہور (۱۷ جولائی ۱۹۳۲ء)

"شاعرہ سے....."

(ایک شاعر کا غائبانہ خطاب)

جستجو کی رسائی سے دُور .... بہت دُور
.... جہاں صرف لطیف تخیئل کے زرنگار
بجرے ہی لے جا سکتے ہیں ....
خوابِ آرزو کے یاسمن پوش جزیرے ہیں، پروازِ ارغواں کی تمام
.... دلفریبیوں کے ساتھ ....
ایک "ذی حیات شعر" میں ڈھل کر "آفرینش شعر" کے روح پرور
منظر سے .... مدہوش کرنے والی پری!
اس خوشگوار لمحے میں بادِ سحر کے کچھ آوارہ اور نیم خوابیدہ جھونکے
ایک البیلی انگڑائی کے ساتھ جھوم جھوم کر مستی بکھیرتے ہوئے
میری خوابگاہ کی خاموش تنہائی میں ہلکی گونج پیدا کر رہے ہیں
.... اور .... میں
نیم بیدار تصور کے عالم میں ایک غیر مرئی مہمان کے لئے ہمہ تن پذیرائی
بنا جا رہا ہوں .... موجِ نسیم جو ابھی ابھی گہری نیند
کی مخمور و سرمست فضاؤں پر "رقصِ مترنم" کی نوبہار پنکھڑیاں چھڑکتی

ہوئی مجھ تک پہنچی ہے، ہر جنبش لطیف سے میرے حواس کو جذب
کر رہی ہے . . . . اور . . . .
مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے، گویا میں نے ان تھرتھراتے ہوئے جھونکوں
میں ایک غیر فانی روح کا سراغ پالیا ہے . . . .
جو . . . . ایک نامعلوم . . . .
اور . . . . بعید ترین . . . . ساحل کے
نسترن زار سے . . . . اُڑ کر غیر محدود خلاؤں میں تیرتی
ہوئی . . . . میرے لئے ایک پُراسرار پیام لائی
ہے! . . . . "اچھوتی دوشیزگی" کے روح پرور
سانس ــــــ جو ــــــ ایک انسانی تیتری کے
پیکر سے شباب بن کر پھوٹ نکلی ہے . . . .
آزاد ہواؤں کے دامن میں جھولا جھولتے ہوئے میری بے تاب
روح کو . . . . یہ مژدۂ معطر . . . .
سنانے آئے ہیں . . . . کہ وہ تیتری ــــــ
جو ــــــ رقص بے محابا کے بعد ــــــ "پاشیدہ
نور" یا "ریزاں تبسم" کی مانند ایک "خیال رنگیں" پر پھول سمجھ کر گر پڑی
تھی . . . . اور . . . . عالم تصور میں
اس کے ساتھ لپٹ کر رس چوسنے کے لئے بے تاب تھی . . .
. . . . اپنی لغزش پر . . . .

برہم و منفعل ہے . . . . اور اس حقیقت سے ہنوز بے خبر
. . . . کہ . . . . کبھی نہ ختم ہونے
والی مسرت اس لازوال آرزو میں پنہاں ہے . . . . جو
. . . . بیگانۂ انجام ہو" . . . . یہ
سرگوشی نما آواز . . . . ایک لطیف موجِ رنگ بن کر . . .
. . . . پردۂ گوش کو . . . . بادلوں
کے کنارے مس کرنے والی قوسِ قزح کی طرح . . . .
چھو کر . . . . لمس کے رنگین نشان . . . .
. . . . چھوڑتی ہوئی . . . . لرزتی ہوئی . . . .
. . . . مدھم ہوتی ہوئی . . . . خاموشی میں
. . . . تحلیل ہو جاتی ہے — !

مطبوعہ جریدہ "اصلاح" لدھیانہ (۲۷ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

مطبوعہ جریدہ "مسلالہ" لدھیانہ (۲۹ اگست ۱۹۳۲ء)

اے دوست!

(ایک فرقت زدہ لڑکی اپنے دوست کی یاد میں)

(طبعزاد)

اے فراموش گار دوست! ـــــ تُو ـــــ ایک
دُور دراز ـــــ بیگانہ ـــــ ملک سے ـــــ
اجنبی کی شکل میں وارد ہوُا ـــــ اور ـــــ ایک بے نام
کشش سے ـــــ ہم ایک دوسرے سے متعارف ہوئے
ـــــ شناسائی نے دوستی کی ـــــ اور ـــــ
دوستی نے محبت کی ـــــ منزلیں ـــــ طے کیں، یہاں
تک ـــــ کہ تُو ـــــ ایک پُراسرار ـــــ فوق الانسانی
عزم کی تکمیل پر مجبور ہو کر ـــــ مرے ناتواں دل کو ـــــ
داغِ مفارقت دے گیا ـــــ یہ تنہائی ـــــ یہ سکوت ـــــ
ـــــ یہ سمندر کا کنارہ ـــــ یہ چاند کی مسکراہٹ ـــــ
پانی کی موجوں میں چاندنی کی یہ جھلک ـــــ یہ کہسار کا دامن
ـــــ یہ حسین وادی کی دلفریب وسعت ـــــ یہ نیچر کی
سحرکاری ـــــ یہ فیروزی، دھانی، آسمانی، گلابی، شیـ[illegible] والا

قرمزی رنگارنگ بدلیاں ـــــ یہ تمام اجزائے منظر ـــــ
بسر کئے ہوئے، افسانہ محبت کے آوارہ ومنتشر ـــــ ٹکڑے
ـــــ بن بن کر ـــــ میرے غم نصیب دل کو ـــــ
وہ نہ بھولنے والی راتیں ـــــ یاد دلا رہے ہیں ـــــ
جب میں ـــــ اور ـــــ تُو ـــــ اِنہی کی خوشگوار ـــــ
آغوش میں ـــــ ساحل پر ـــــ ایک دوسرے کی ـــــ
صحبت کا لُطف ـــــ اٹھایا کرتے تھے ـــــ تیری یاد
ـــــ مجھے ـــــ چاندنی راتوں میں ـــــ کیف ونشاط
کے مخصوص ـــــ ساحل پر ـــــ کھینچ لاتی ہے ـــــ
اور ـــــ میں ـــــ جذبات میں ـــــ ڈوبی ہوئی ـــــ
تن تنہا ـــــ سمندر کی ـــــ نیلگوں موجوں کا ـــــ مشاہدہ
کرتی ـــــ اس ـــــ وصل گاہ میں ـــــ گھوما کرتی
ہوں ـــــ جو اَب تیری ـــــ تجلیوں سے ـــــ محروم ہو
چکی ہے ـــــ جب میں ـــــ ساحل کے ساتھ ساتھ ـــــ
چلتی چلتی ـــــ اس ـــــ مقام پر ـــــ ٹھہر جاتی
ہوں ـــــ جہاں ہم بارہا ـــــ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ـــــ
پھیلے ہوئے بحر کا ـــــ رُخ کئے ہوئے ـــــ دُور
اُفق کے قریب ـــــ غائب ہوتی ہوئی ـــــ کشتیوں کو
ـــــ دیکھا کرتے تھے ـــــ تو ـــــ میری نظریں ـــــ

مہتاب در دامن ــــ گوناگوں ــــ ریشمی بادلوں کو چیرتی
ہوئی ــــ مُرغِ قبلہ نما کی طرح ــــ ایک خاص سمت
ــــ کا یُوں رُخ کرتی ہیں ــــ گویا ــــ
تیرے موہوم تعاقب پہ ــــ مُصر ہیں ــــ مگر آہ! ــــ
تُو جا چکا ــــ اور نہ معلوم ــــ دُنیا کے کِس ــــ
بعید گوشے میں ــــ اپنی زندگی گزار ــــ رہا ہو گا ــــ
یہ میری ــــ سادہ لوحی تھی ــــ کہ ــــ میں ایک
ــــ فریبِ وعدہ ــــ میں ــــ مبتلا ہو کر تیرے خط
ــــ کی ــــ راہ دیکھتی رہی ــــ دیکھتی رہی ــــ
دیکھتی رہی ــــ مگر ــــ آہ! ــــ تیری ــــ
لامتناہی خاموشی ــــ کا طلسم ــــ نہ ٹوٹنا تھا ــــ
نہ ــــ ٹوٹا ــــ نہ ٹوٹا ــــ اکثر راتوں کو ــــ میں اپنی
خوابگاہ ــــ سے ــــ تاروں کی چھاؤں ــــ میں ــــ
نکل کر ــــ ساحل ــــ کے ــــ ساتھ ساتھ محوِ سیر رہتی
ہوں ــــ جب ــــ دِل کسی طرح ــــ بھی ــــ
تسلّی نہیں پاتا ــــ تو ــــ اپنے سائے کو ــــ
زندہ ساتھی سمجھ کر ــــ خطاب کرتی ہوں ــــ اور
ــــ ایک اُنگلی ــــ سے ــــ اس سمت ــــ
کی ــــ شست باندھ کر ــــ جس طرف ــــ

رخصت کے وقت ــــ تیرے جہاز ــــ نے ــــ
جانگداز جنبش ــــ کی تھی ــــ بازو ــــ کو
ــــ اشارے کے لئے ــــ آگے بڑھا کر ــــ
اُسے کہتی ہوں ــــ کہ ــــ میرا دوست ــــ موجوں
ــــ بادلوں ــــ اور ــــ چاند کی کرنوں کے اُس
جھرمٹ میں چھپا ہوا ہے ــــ مگر ــــ میرا سایہ ــــ
کچھ ــــ جواب نہیں دیتا ــــ دیر تک ــــ ایک
مبہم سی ــــ محویت ــــ طاری رہتی ہے ــــ
آسمان پر ــــ ستارے ٹمٹماتے ہیں ــــ اور ــــ اُن
میں ــــ سے ــــ ایک ــــ عین اُسوقت ٹوٹ کر ــــ
ــــ فضائے آسمانی ــــ میں ــــ دُور تک ــــ
ایک نُورانی لکیر ــــ چھوڑتے ہوئے ــــ بزمِ انجم ــــ
سے ــــ رُخصت ہو جاتا ہے ــــ جب ــــ میں
تیری یاد ــــ میں ــــ تکان ــــ سے ــــ مجبور
ہو کر ــــ ساحلی ریت ــــ پر ــــ اپنے آپ کو ــــ
ــــ یوں ڈال دیتی ہوں ــــ جیسے ــــ مرا جسم خود
ہی اپنی تربت کا نشان بننا چاہتا ہو ــــ!

(مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" بدھیانہ (۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء)
(مطبوعہ جریدہ "احرار" بمبئی (۹ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

زخمی دیوتا

(ماخوذ از رابرٹ ہیرک)

محبّت کا دیوتا .... کیوپڈ ...... گلاب کی
پنکھڑیوں پر لیٹا ہوُا تھا .... جبکہ ایک شہد کی مکھی
.... نے .... اس کے نازک اندام
پر .... ڈنگ مارا، جس کی ٹیسوں سے ....
.... بیقرار ہوکر .... کرب و اضطراب کے عالم میں
.... وہ اپنی ماں کے پاس .... دوڑتا ہوُا
آیا .... اور چلاّنے لگا "ہائے! ہائے!! ......
.... مجھے مار ڈالا" .... اس کی ماں نے پوچھا
"کیوں .... میرے لال .... کیا ہوُا؟"
اِس پر .... اُس نے .... شدّتِ درد
سے بلبلاتے ہوئے .... جواب دیا "ایک پروں
والے سانپ نے مجھے ڈسا ہے جس کو دیہات کے لوگ شہد
کی مکھی کہتے ہیں" .... یہ .... سُن کر

.... وہ مُسکرائی پھر اُس کے معصوم رخسار پر جُھک کر....

.... اپنی زلفیں اشکبار آنکھوں پر بکھیرتے ہوئے.....

.... اس کے آنسوؤں کو بوسوں سے خشک کر کے.....

.... کہنے لگی۔ "آہ! میرے ننھّے مسخرے!........

اگر........ یہ ذرا سا ڈنک تجھے ایسی زہرہ گداز اذیّت

پہنچا رہا ہے........ تو........ ان مجروح دلوں

کی شدّتِ خلش کا اندازہ کر........ جن کو......

.... تو نے اپنے تیر سے........ گھائل......

.... کر رکھّا ہے!"

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ (۶ مئی ۱۹۳۲ء)

مطبوعہ رسالہ "فلمستان" لاہور (جولائی ۱۹۳۲ء)

(ہندی ترجمہ ہندی رسالہ "کانتی" سرگودھا ۱۹۳۲ء)

مصوّری

ذیل کی دلچسپ آراء (VIEWS) مسٹر لارنس بن ین
کی ایک دلکش تالیف "The Mind of the Artist"
سے ماخوذ ہیں، ——————— نظیفی

"ایک چابکدست مصوّر، اپنے اس کمال کے لحاظ سے، جو اُس کے اسرار فن کی گہرائیوں کو اُس پر منکشف کر دے، عام طور پر ایک قابل نقّاد ہوتا ہے" ——————— الفرڈ سٹیونز

"آرٹ محبّت کی طرح تمام رقابتوں کی پنہائی کرتا ہوا، آرٹسٹ کو جذب کر لیتا ہے" ——————— فیوسلی

"ایک نفیس رنگ بھرنے والے مصوّر کا موضوع لون دو چیزیں ہوتی ہیں، یعنی انسان اور اُس کی رُوح کا اشتیاق، پہلی سہل ہے، دوسری مشکل، کیونکہ وہ صنّاع کو اعضاء کی حرکات لطیف اور اندازہائے نازک سے ظاہر کرنا ہوتا ہے، یہ ہنر خاموش "بے زبانوں" سے سیکھنا چاہیئے، کیونکہ اُن کے افعال (منجمد گویائی ہونے کی وجہ سے سراپا مرئی) جذبات ہوتے ہیں" ——————— لیونارڈو داونسی

"میری رائے میں وہ تصویر عمدہ اور سادی ہے، جو غیر فانی خالق کی کسی تخلیق کردہ شئے سے بہت مشابہ ہو، یا اُس کا بہترین نعم البدل

بن سکنے کے قابل، خواہ کوئی انسانی ہیئت ہو، یا دشت پروردہ رمیدہ جانور، ایک سادہ و آسودہ مچھلی، یا ہوا کا کوئی پرندہ، یا کوئی اور ذی حیات، چنداں ضروری نہیں، کہ وہ تصویر سنہری ہو یا ردپہلی، یا اس کے قوسوں اور خطوں میں بہت خوبصورت رنگ بھرے جائیں، بلکہ قرطاس سپید پر کسی پر نقش آفریں، یا پنسل، یا موقلم سے سیاہ نقوش بنا کر ہی کھینچ دی جائے، میرے نزدیک ان موضوعات فن میں سے بہ لحاظ انواع ہر ایک کا مکمل نقش مماثلت پیدا کرنا، بجز اس کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا کہ خالق لم یزل کے نمونۂ آفرینش کی سعیٔ ارتسام کی جائے، اور مصوری کے اثمار تخلیق میں وہ ثمر سب سے زیادہ پاکیزہ اور کامل تریں ہوگا، جو اپنے دامن میں اس شئے کا عکس لئے ہوئے ہو، جو سب سے زیادہ منزہ و مقدس ہے، اور کمال نازکی اور عبور علم کے لحاظ سے اعلیٰ و ارفع" ———— مائیکل اینجلو

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ (۱۳ / مئی ۱۹۳۲ء)



خود آفرینی

(Auto - Creation)

(طبعزاد)

فلسفی:- اے شاعرِ فطرت شناس! کائنات کے اس ناپیداغور و ناپیداکنار اُفقِ شہود پر جہاں بے ثبات پتلیوں کے تصرّفِ پیہم کی طرح رنگارنگ بلبلے یوں رونق افزائے تماشا ہیں ؎

"کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کُن فیکون"

طائرانہ نگہ ڈالنے کے بعد جب میں ایک لمحۂ مستعجل کے لئے انسان کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قدرت کی فیاضی و جُودت عین معراج میں کمالِ تخیل کے گرہن سے ماند پڑ پڑ کر درماندگی و پژمردگی کا مُرجھایا ہوُا افقی منظر پیش کر رہی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے خاک کے پُتلے کو دائیں ہاتھ سے لذائذِ حیات، شباب، تندرستی، جمال، نشاط، روح، گداز، لطافت، خوشگواری، طلوع، روشنی، فتح، سونپتے ہوئے بائیں ہاتھ سے ان انمول عطیّوں کو چشم زدن میں اس طرح چھین لیا ہے، جیسے کھیل کے شوقین بچے کو بہت سے نازک کھلونے دیتے ہی توڑ پھوڑ دیئے جائیں ——— !

شاعر:- اے سطح بین فلسفی! کسی چابک دست صناع و صواغ کا
کمال فن اور منتہائے لطف و کرم اس میں ہی نہیں، کہ وہ زندہ جاوید
شاہکار کی تشکیل آزمائشی کے بعد اپنے خزانے کے سب سے زیادہ
بیش بہا گوہر اس کے دامن میں ڈال دے، بلکہ اس کے ماوراء اگر وہ
اس سائل نو وارد کو گوہر ہائے مستعار کی جھلک دکھلاتے ہوئے خود اپنی
فطرت سے گوہر ہائے تازہ پیدا کرنے کا گر بتا کر اس طرح فرصت تخلیق
و تعمیر دے کہ انفعال ممنونیت (یا اس زیر لب شکایت کہ "مجھے خلق
کرتے وقت مجھ سے مشورہ نہیں کیا گیا") کا موقع امکان سے خارج
ہو جائے، اور وہ ہیولائے بے سروسامانی سے اپنے اچھوتے پیرائے میں
خود تخلیق کردہ اور خود پرورش کردہ حاصل کی، پیدائش اور پرکھ کا اپنے
تئیں ذمہ وار سمجھ سکے، تو فن کار کی یہ نوازش مخصوص صلۂ سپاس کی دریوزہ
گری سے بالاتر ہو کر، تمام نوازش ہائے بے محابا پر سبقت لے جاتے
ہوئے اپنی نوعیت نوع سے مستثنیٰ ہو گی۔

میری نگاہ مستعار لے کر تخلیق انسان کے پہلوؤں پر ذرا
گہری نظر ڈال اور دیکھ کہ جسے تیری کم سوادی "گرہن" اور "خزاں"
سے تعبیر کر رہی ہے، وہ دراصل تجلی بہار کے لئے تخلیق مستعار
سے مستغنی ہو جانے کا ایسا نادر وقفۂ مہلت ہے، جو
خود آفرینی میں صرف ہو رہا ہے اور تمامی تشکیل کو
اتمامی نقطہ ہائے برجستہ سے لمحہ بہ لمحہ قریب تر لا رہا ہے!! اسد

تری نظروں میں پیدائی ہے جُزئیاتِ پریشاں کی
ابھی دیکھی کہاں ہے آفرینش تُو نے انساں کی!

نوشتہ ۱۱ رمئی ۱۹۳۵ء ——— (غیر مطبوعہ)

زیست

ہر چند زندگی نام ہے لذّت اور صرف لذّت کا لیکن ناپائدار لذّت کا نام زندگی نہیں، ... دُنیا کی دلفریب اشیاء لذائذ و نعائم، دلچسپیاں اور نیرنگیاں میوے اور کھلونے مقاصدِ حیات نہیں ——— ان کو بچا بچا کے رکھنا یا ان کی خاطر ہمچشموں اور پڑوسیوں سے دست و گریباں ہونا یا اُن پر ناز کرنا منشائے زیست نہیں، ——— وہ انسان جو اپنے آپ کو خدا کی مخلوق سمجھتا ہے، اُسکی ممنونیتِ خلقت مقتضی ہے کہ وہ اپنا جائزہ لے اور اندازہ کرے کہ جو وقفۂ وقت گزر رہا ہے اس میں وہ کس حد تک صبر و کاظمیت، طمانیتِ قلب، خندہ پیشانی اور بردباری سے مصیبت کو جھیل سکتا ہے، دُنیا کی ہر تکلیف ایک "تازیانۂ تربیت" ہے! انسان مہیب ترین مخاطر میں حُسنِ عمل کی نفی و اثبات سے اپنی امتیازی سیرت (Identity) قائم کرنے کیلئے دنیا میں بھیجا گیا ہے، جس طرح کسی ایسے پیکرِ آب و گل کے سائے کی بتدریج حرکات کے مشاہدہ سے جو رات کے وقت شمع کے سامنے اس طرح جھکا ہوا ہو کہ اسے اپنے قرب میں کسی کے قریب ہونے کا گمان تک نہ ہو، سوادِ پس منظر کے کسی تاریک گوشے میں کوئی پوشیدہ آنکھ اس شخص کے کردار کا عکس لے رہی ہو، اسی طرح انسان کی ایک ایک حرکت خواہ وہ کسی ذرّے کے عشرِ عشیر ہی کے برابر کیوں نہ ہو، ذرّاتِ مادہ پر ثبت ہو رہی ہے ....!'

نوشتہ (مارچ ۱۹۳۴ء) ——— (غیر مطبوعہ)

"وارفتگی"

(فرانسیسی سے براہِ راست)

ذیل کی عبارت فرانس کے اُس ادیب لبیب کے کلام سے ماخوذ ہے، جس سے اُردو داں پبلک کو متعارف کرانے کا یہ پہلا موقعہ ہے، پال جیرالدی کا شمار دورِ حاضرہ کے اُن چند ممتاز اہلِ قلم میں ہے، جن کی تحریریں میرے لئے خاص جاذبیت رکھتی ہیں، موصوف ۱۸۸۵ء میں فرانس کے دارالخلافے میں پیدا ہوئے، اور وہیں بائیس برس کی عمر سے مشغلۂ تصنیف میں مسلسل منہمک رہے ہیں، ان کی تماثیلِ مضحک یعنی کامِک ڈراموں کو یورپ میں بہت پسند کیا جاتا ہے، لیکن اسوقت مجھے ان کی تمثیل نگاری سے چنداں بحث نہیں، میں انہیں ایک مغربی شاعر کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتا ہوں، اُن کے لطیف شاعرانہ خیالات میں وہ رنگِ تغزل بدرجۂ اتم موجود ہے، جو ازل سے مشرق کے لئے مخصوص رہا ہے،

لطیفی

"آہ! میں تمہیں پیار کرتا ہوں! میں تمہیں پیار کرتا ہوں! کیا تم سُنتی ہو؟ میں تمہارا دیوانہ ہوں! بربادِ تمنّا ہوں! میرے پاس لے دے کر محبت کے یہی الفاظ ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں تمہیں پیار کرتا ہوں! میں تمہیں پیار کرتا ہوں! میں تمہیں پیار کرتا ہوں! کیا تم سمجھتی ہو؟ کیا تمہاری مسکراہٹ میں ہنسی کی آمیزش نہیں؟ کیا میری حالت مضحکہ انگیز ہے؟ لیکن بتاؤ میں کونسا طریقہ اختیار کروں، کہ تم میری محبت کا بخوبی اندازہ لگا کر شریکِ احساس ہو سکو؟ اگر میری یہ باتیں محض باتیں ہیں، تو یہ الفاظ دعوائے باطل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے! محض بوسے ثبوتِ محبت کے لئے مکتفی نہیں! میں متلاشی ہوں، میں جستجو کرتا ہوں ایکِ مؤثر ذریعۂ اظہار کی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کوئی نامعلوم شئے، یہاں، میرے حلق میں یوں اٹک رہی ہے، جیسے عالمِ رقت میں دل بھر آنے کے بعد کوئی سسکی، مجھے احتیاج ہے تشریح کی، تصریح کی، توضیح کی، میرے وارداتِ قلبی سے تمہارا متاثر ہونا اتنا سہل نہیں، جس قدر اظہارِ واردات کے بعد میری تمام زندگی کو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ بہرحال تم سے خطاب محبت کرتے ہوئے گزرنا ہے، مجھے ان الفاظ کی طلب ہے، جو معانی کے لحاظ سے وسعت کے حامل ہوں، وا حسرتا، تمہارا اندازہ تشنۂ تکمیل ہے، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ناتمام ہے، نہیں نہیں، یہ ضرور ناتمام ہے، جو میں تمہیں کہتا ہوں، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر میں صہبائے شاعری

سے سرشار ہو جاؤں تو، خدارا بتاؤ، کیا اس عالم سے بھی زیادہ اظہارِ تعشق کروں، جب کہ میں تم سے ہم آغوش ہوتے ہوئے تمہارے پیارے سر کو اپنے بازو میں لیتے ہوئے سینکڑوں بار بے اختیار ——— ضُعفِ صفحہ بہ صفحہ[۱] 'لا بہ لا' 'پردہ بہ پردہ' 'تو بہ تو' کی رٹ لگاتا ہوں؟

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ (۱۵ اپریل ۱۹۳۲ء)

خودی

اے خود نما، خود فروش، خود غرض اور خود پرست انسان! تو سمجھتا ہے کہ جب تو اس جولانگۂ سوز و ساز میں پیدا ہوا تو گویا تیرا سراپا بن چکا، نہیں، نہیں، ہرگز نہیں، زندگی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ انسان مخلوق ہو کر بھی اپنا خالق ہے! خود ہی اپنی قسمت کا معمار ہے، خود ہی اپنے انگارۂ حیات کا مصوّر! اگر تو یہ سمجھ لے کہ تیری پیدائش اور موت، سرِ مہد اور لبِ لحد، ایک مختصر سے رہگذر کے دو سرے ہیں اور قطعِ مسافت کے دوران میں جو نقوشِ قدم تو چھوڑنے والا ہے، انہیں کے تار و پود سے تیرے لاشۂ تشکیل کے خط و خال ابھریں گے، انہیں کے آب و گل سے تیرے خود مجوزہ ہیولے کا مایۂ خمیر اٹھایا جائے گا، تو نہ صرف اس بے ثبات دنیا پر بلکہ موت پر بھی تیری فتح ہوگی ——— !!

(غیر مطبوعہ) نوشتہ (مارچ ۱۹۳۴ء)

[۱] مصرع طاہرہ

ایک مکالمہ

اگیتھاس عمیق فضاؤں کی سمت نیچے دیکھ! ——
نگاہ کو ستاروں کے بسیار مناظر کی طرف جھکانے کی کوشش کر جبکہ ہم یُوں —— اور یُوں —— اور یُوں —— آہستہ آہستہ ان میں سے گزرے جاتے ہیں! کیا روحانی بینائی بھی ہر جانب سے کائنات کی زرّیں دیواروں —— اُن صد ہزار اجرام درخشاں کی فصیلوں سے گھری ہوئی نہیں ہے، جنہیں محض کثرتِ وحدت میں پیوست کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے؟

آئیناس میں بخوبی محسوس کرتا ہوں کہ مادّہ کی بے پایانی کوئی خواب نہیں۔

اگیتھاس عدن میں خواب نہیں ہیں، لیکن یہاں یہ دبی زبان سے کہا جاتا ہے، کہ مادہ کی اس بے پایانی کی تنہا غرض بے پایاں چشمے مہیا کرنا ہے؛ جہاں رُوحِ علم کی پیاس کم کرے، جو کہ اس میں کبھی بھی بجھ نہیں سکتی

کیوں کہ اس پیاس کو بُجھانا روح کی خودی کو مٹانا ہوگا پس میرے آئیناس مجھ سے بے خوف و تکلّف سوال پوچھ ، آ ! ہم "خوشۂ پروین" کی شوخ موسیقی کو بائیں طرف چھوڑ دیں گے اور تخت سے باہر "تسرطائز" کے پار ستاروں بھری چراگاہوں میں جھپٹ پڑیں گے، جہاں سوسن، ژرفیرا اور بنفشے کے پھولوں کے لئے سہ چند اور سہ رنگ شموس کی کیاریاں ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ !



اگیتھاس آئیناس! میں نے تجھ سے خوبصورت "ارض" کی نسبت جو کہ تھوڑے دن ہوئے برباد ہوگئی، اُن تحریکوں کی نسبت جو ارض کی ہوا پر تھیں) اس طرح گفتگو کی جیسے ایک بچّے کے ساتھ ۔

آئیناس ہاں !

اگیتھاس اور جس اثناء میں میں نے اس طرح گفتگو کی، کیا تیرے ذہن میں الفاظ کی مادی قوّت کا کوئی خیال نہیں آیا؟ کیا ہر لفظ ہوا پر ایک تحریک نہیں ہے؟

آئیناس مگر اگیتھاس تو روتا کیوں ہے؟ کیوں اُنہیں اپنے

پر پژمردہ ہو ہو کر جھکے جا رہے ہیں جس قدر ہم اِس خوبصورت ستارے کے اوپر منڈلاتے جا رہے ہیں جو کہ ان تمام ستاروں سے جو ہماری پرواز کے دوران میں آئے ہیں، زیادہ سبز اور باایں ہمہ زیادہ خوفناک ہے؟ اس کے چمکتے ہوئے پھول ایک طلسمی خواب معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کے آتش فشاں پہاڑ ایک پُر آشوب قلب کے جذبات کی مانند ہیں ——!

اگینھاس

وہ ہیں! وہ ہیں! یہ جنوں پاش ستارہ اس وقت تین صدیوں سے جڑے ہوئے ہاتھوں اور آنسو بہاتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ میرے معشوق کے قدموں میں پڑا ہے، میں چند ہیجان خیز جملے بول کر اس کو وجود میں لایا تھا، اُس کے گلہائے رخشاں تمام بے تعبیر خوابوں سے زیادہ پیارے ہیں، اور اس کے ہنگامہ پرور آتش فشاں پہاڑ سب سے زیادہ پُرخروش اور لبریز دل کے جذبات ہیں +

(اقتباس از "قوتِ الفاظ")

مطبوعہ "لطیفیات" جلد اوّل (ماہ جولائی ۱۹۲۸ء)

جنگل کا خواب نما خیال

ماخوذ از ایڈگر ایلن پو

انسان . . . . کی

. . . . . پہلی نمود گاہ کا منظر ایک بے آب و گیاہ ریگستان نہ تھا، بڑا پرانا جنگل تھا، جس کے گھنے بلوط گنجان نباتات کی طرح وبیز برگ و بار سے منظر کو تاریک کئے ہوئے تھے، اُن کے پتّوں سے سورج کی کرنیں بھی چھن چھن کر نہیں آسکتی تھیں، جب انسان کے ہاتھوں نے اس مہیب و سرکش جنگل کو رام کیا، اور کھجور کے درخت غم کی کراہوں کے ساتھ سورما ساونتوں کی مانند ایک اجنبی غنیم سے پامال کر دئے گئے، تو دوشیزۂ ارض نے ناگہاں وہ چشمے پیدا کئے، جن کی روانی پہلے رُکی ہوئی تھی، جنہوں نے آفتاب کی تازہ کرنوں کے اُجالے میں ندّیاں جاری کیں، اور تمام گرد و نواح میں نایاب پھول کھلائے، اور خود رو گلاب نے نسیم کو خوشبو سے لبریز کر دیا، اور تہ وادی میں سارے پھولوں سے شہزادی کی طرح

ممتاز کنول جس کو آفتاب کی کرنیں شبنم اور ہوائیں پیار کرتی تھیں، انگور اور انگور نما میوے کے پودوں کے ہمراہ عشرت نمو سے بالیدہ ہوا، ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسی طرح جب برسوں کی محبت آنسوؤں میں برف کی صورت گھل جاتی ہے، اور فوری نزاع کے درشت صدمے سے ایک ہی چوٹ میں اس کے احساس کی ہلکی، نازک، باریک اور لطیف تاریں ٹوٹ جاتی ہیں، دل کی گہرائی میں چشمے پھوٹتے ہیں، جن سے اب یہ آشنا ہوتا ہے، اور عجیب شیریں خواب خاموش نہروں کی طرح جو نئے سرچشموں سے بہ نکلتی ہیں، دریاؤں کی پیشرو موج کی رفتار کے ساتھ اس اتھاہ ساگر میں پھیل جاتے ہیں جس کی امید خاک میں مل چکی ہے، ان چنگاریوں کو بجھاتے ہوئے جو اس کی خاکستر میں نہاں ہیں ـــــــ وہ خاکستر جہاں سے عنقریب دلکش پھول پیدا ہو کر نشو ونما پائیں گے ـــــــ ترنم کے نادر اور چمکیلے پھول!

مطبوعہ رسالہ "خیالستان" لاہور (ماہ مئی ۱۹۳۰ء)

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ (۲۸ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

پام کے سائے تلے

جزیرہ کیوبا[1] کا نغمۂ محبت

ذیل میں جس نغمۂ محبت کا ترجمہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے، ناممکن ہے کہ اُسے سُن کر یا پڑھ کر آنکھوں میں اُس جزیرے کا منظر (landscape) نہ پھر جائے جس کی فضا سے رومانی سے وہ وابستہ ہے، اگر ہم دُنیا کی اٹلس کھول کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ کیوبا بحرِ اوقیانوس میں اس مقام پر واقع ہے جو خلیج میکسیکو کے آبی تومین سے باہر کناروں کی انگڑائی کے درمیان اُبھر آیا ہے: رقبہ کے لحاظ سے یہ جزیرہ تمام ویسٹ انڈین جزائر سے بڑا ہے اور براعظم کے ساحل سے فلوریڈا اور یوکیٹن خاکناؤں کے ذریعہ منقطع ہے، اس کا ساحل کٹا پھٹا ہے لیکن جہاں اندر کی جانب گہرے کٹاؤ دور تک چلے گئے ہیں، وہاں خوبصورت بندرگاہیں بن گئی ہیں، جن تک رسائی کے راستے کہیں کہیں حاشیہ نما مونگے کی چٹانوں کے سلسلوں سے مسدود ہو گئے ہیں، اس کے دارالخلافہ کا نام ہوانا[2] ہے جو ہیجان انگیز مگر روح میں ایک خوبصورت

[1] Cuba
[2] ہاباتہ

ساحل پر واقع ہے، آب و ہوا یوں تو سال بھر ہی گرم رہتی ہے، مگر نومبر اور فروری میں شمال کی جانب سے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں؛ سال کے باقی مہینوں میں مشرقی ہواؤں کا دور دورہ رہتا ہے، برکھا کی رت مئی سے اکتوبر تک بادل بچھوڑتی ہے، دریا اپنے ریلے میں پانی کی مواج مقدار ساتھ لاتے ہیں، اور خس و خاشاک کو بہاتے ہوئے چونہ بنائے جانے والے کنکروں سے بنی ہوئی مرتفع سرزمینوں میں سے سیل تندرو کی طرح گذر کر ساحل کے قریب عریض دلدلوں میں جا گھستے ہیں، کیوبا اپنی نباتات کی قوت نامیہ کے لئے مشہور ہے، منطقہ حارہ کے پودے گوناگوں انواع اور بیحد افراط و بہتات سے جزیرہ کے مختلف حصوں میں نشو ونما پاتے ہیں، قابل ذکر پیداوار خرما کے درخت (جنہیں پام کہتے ہیں) تمباکو (جس سے سگرٹ اور سگار تیار کئے جاتے ہیں) صنوبر (یعنی دیودار) اور نیشکر وغیرہ ہیں؛

کیوبا کی آبادی مختلف اقوام وملل کی عجیب وغریب آمیزش خون کا مرکب ہے، موجودہ نسل اہل ہسپانیہ، افریقہ کے حبشیوں گرد و نواح سے مہاجرین، جزیرہ کے پرانے اور اصلی باشندوں اور امریکن افراد کے باہمی خلط ملط کا نتیجہ ہے،

مسٹر الفریڈ سمتھ کے تالیف کردہ امریکہ کے جغرافیہ میں سر ہیلی جانسٹن کی مرتسم کردہ رائل پامز کے ایوینیو (Avenue)

کی جو تصویر دی ہوئی ہے وہ وہاں کے بلند و بالا نخلوں کا منظر سامنے لا دیتی ہے،

کیوبا جیسے جزیرہ کا نغمۂ محبت وہاں کی فضا کا جو تاثر لئے ہوئے ہوگا، اس کی کچھ نہ کچھ جھلک "کیوبن لَوْسانگ" کے ترجمہ میں نظر آسکتی ہے، یہ رسیلا گیت لندن کی پسندیدہ غزلوں میں شمار ہوتا ہے، اس کے رنگین اشعار انگلستان کی ایک مقبول ناطق فلم "Under the Palms" (جس میں موسیقی کا پارٹ Ivan Keith اور Val Guest ادا کرتے ہیں) میں شریک ترنم ہیں، قیام لندن کے ابتدائی زمانے میں میں جس جگہ فروکش تھا، وہاں ایک نوجوان انگریز اداکار Mr. Ramskill سر پیانو یہ نغمہ گایا کرتے تھے، اس وقت ترجمہ کرتے ہوئے پارۂ منظوم کی جو نقل مرے پیش نظر ہے، وہ موصوف ہی کی لکھائی ہوئی ہے، مجھے امید ہے کہ قارئین اس گیت کو پڑھ کر ضرور محظوظ ہونگے، ——— لطیفی

"جب دن غروبِ آفتاب کی شفق آلودگی کو جلو میں لئے ہوئے اپنا سفر طے کر چکا ہو ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ جب آکاش نے ایک گہرے سرخ رنگ کا رُوپ دھار لیا ہو ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ جب چاند کی کرنیں اُفق کو چیر کر فضا میں جھلملا رہی ہوں ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

اور سائے آس پاس کی وادیوں اور دمنوں میں (چلبلے پتنگوں کی طرح)
چہل پہل کرتا چہتے پھرتے ہوں .. .. ہاں
——— یہی وہ خاص وقت ہے، جب میں اس وعدہ گاہ
پر انتظار میں تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں گا .. ..
گردوں کے ٹمٹماتے ہوئے ستارے زبان حال سے کہہ رہے ہونگے
.. .. کہ .. .. یہاں
گردش ایام سے ایک روز اور "یولج النہار فی الیل" کا مظہر ہوا
جاتا ہے .. .. جب .. ..
نخیل کے برگ وبار آہیں بھر رہے ہونگے اور مٹتی ہوئی روشنی کی آخری
شعاع گریز آمادہ ہوگی .. .. تو میں تمہیں اپنے
جزیرے کا نغمۂ محبت گا کر سناؤں گا .. .. اور .. .. .. ہم دونو
خراماں خراماں چھائے ہوئے احمریں دھندلکے میں محو سیر .. .. ..
.. .. .. ہونگے، جس دم .. .. ہم ایک دوسرے کا
ہاتھ پکڑے ہوئے وہاں .. .. گھومیں گے،
میں تمہارے جذبات کو خود رو محبت کے گیت سے گرماؤں گا .. ..
.. .. .. اور جب .. .. رات کی تاریکیاں گھرنے لگیں گی .. ..
.. .. اور طائران شب پیارے انداز سے ایک دوسرے کو دعوت
ہم آغوشی دیتے ہونگے .. .. ہم دوسری صبح کی ذرّ پھٹنے
ایک دوسرے کے ساتھ وہیں شب باشی کا لطف اٹھائیں گے .. .. ..

. . . . اور اِس سمیں جھٹپٹے میں شاید تم یہ کہو گی . . . .
. . . . . . کہ . . . . میں تمہیں جزیرے کا طلسمی ترانہ سُنا کر
وَجد میں لاؤں اور جب . . . . ایسا معلوم ہو رہا ہوگا،
کہ تمام دُنیا نیند میں ڈوبی ہوئی . . . . ہے . . .
اور . . . . اس کی شوریدہ چہل پہل آسودگی کی گہرائیوں میں
مستِ خواب ہے . . . . بچھی ہوئی گھاس میں
شبنم کے موتیوں سے آب و تاب پیدا ہو رہی ہوگی . . . .
. . . . اور عنقریب ایک نرم خرام نسیم کا جھونکا درختوں میں سے ہوتا
ہوا کچھ زیرِ لب گنگنائے گا . . . . آہا!!
وہ . . . . تمہارے لئے
کیسی دلفریب بہشت ارضی کا منظر ہوگا . . . . جب
. . . . . . "نیچر" دن بھر کی ہنگامہ آرائیوں میں طلوعِ آفتاب تک
ایک عارضی صلح کا اِعلان کئے ہوئے . . . .
زمین پر سیمیں آمیز بھورے رنگ سے . . . . مہتاب
کی روشنی . . . . چھڑک رہی ہوگی"

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ (۲۶ اگست ۱۹۳۲ء)

تابستاں

کی

ایک حسین خواب گوں رات

(جرمن سے براہِ راست)

آبادی کی شورشوں سے دُور ——— اِن جھونپڑیوں سے جو میری محبوب جائے پناہ ہیں نکل کر، جنگل کی گھنی چھاؤں میں سے ہوتا ہؤا، جس کا پھیلاؤ رہرو کو تھکائے دیتا ہے، آہستہ خرامی سے باہر آتا ہوں، مہتاب کی خنک روشنی راستہ میں یوں چھٹکی ہوئی ہے، گویا سیمگوں بارش غورزو پودوں، جھاڑیوں اور بلوط کے درختوں پر برس رہی ہے، بادِ صبا کی لہریں اپنی سوئے رفتار کا اعلان کر رہی ہیں، "برچ" (یا بتُولا جس کو بنوں کی ملکہ کہا جاتا ہے) کے اشجار مست ہو ہو کر جھوم رہے ہیں، اور ان کے شوخ رنگ شہابی پھول دُود آمیز آتش کی سی شگفتگی کے ساتھ آرزو سے

پا بوسی سے ٹپک ٹپک کر فرش راہ ہوتے جاتے ہیں،

تابستاں کی ان خوشگوار راتوں میں، میں اپنے آپ کو تازگی میں چُور پاتا ہوں، آہا صبح کاذب سے پہلے یہاں کیسی آسودگی میسر ہے، جس نے دو رُوحوں کو، اس قدر محفوظ کر رکھا ہے، یہ وجد آفریں مسرتوں کے لمحے، جو اس وقت یہاں تھم گئے ہیں، کتنے نادر ہیں! اِسی نایابی پر بھی، میرے دل سے یہ مستانہ دُعا نکلتی ہے، کہ اے میری محبوبۂ دلنواز! تجھے گردش چرخ اس قسم کی ہزار راتیں دکھلائے، اور (اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو تو) ان میں سے ایک، صرف ایک رات مجھے عنایت فرما،

(اوائل ۱۹۲۸ء)

گوشے



مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ (۲۲ اپریل ۱۹۳۲ء)

مطبوعہ رسالہ "خیالستان" لاہور (ماہ جون ۱۹۳۲ء)

کمسن بہاریں

(شہزاد)

کسی غنچۂ دوشیزہ کی تہ بہ تہ لپٹی ہوئی پنکھڑیوں میں . . . . . .
جبکہ . . . . کوئی لطیف و سبک شمیم . . . .
محوِ خواب ہو . . . . . اور کہیں دور سے . . . .
آنے والی نسیم آوارہ کے شوخ جھونکے . . . . اس نکہت
آسودہ کو چھیڑ چھیڑ کر ایک ہلکی سی سرسراہٹ سے فضا میں تموّج پیدا کر
رہے ہوں . . . . . . تو . . . . . شاعر جس کے لئے
خاموشی بھی . . . ایک آوازِ بے آواز ہے . . . . . .
ہوا کی ان مرتعش لہروں میں ایک مخصوص پیغام سنتا ہے ! . . . .
. . . . . اس کے نزدیک یہ مبہم سا اہتزاز . . . . . . ایک
پُرمعنی نغمۂ بیداری ہے . . . . . . گویا نسیم بوئے خوابیدہ
کی خوابگاہ کے نزدیک موسیقانہ زیر و بم سے دبی آوازوں یہ گا
رہی ہے . . . . . . "رنگ و بُو کی ایک ایسی نازک گرہ میں
جس کو وا ہو کر پھول بننا ہے پنہاں ہونے والی نازنین . . . .

. . . . میں تیری بیداری کا ترانہ گانے کے لئے آئی ہوں . . . .
. . . . اس گہرے خواب سے جاگ . . . . اور دیکھ
. . . . . تیری پذیرائی کے لئے میرا دامن شوقِ فراواں سے کہاں
تک بالیدہ ہوا جا رہا ہے ! . . . . تیری پرواز کی وسعتیں
ضبطِ جنبش تک سمٹی رہیں گی . . . . اگر . . . .
تو چاہتی ہے کہ تیری فطرتی لطافتیں تجھے اُبھار دیں . . . . .
. . . . تو . . . . خمارِ دوشین کے عالم میں ایک ایسی
کافر انگڑائی لے . . . . کہ . . . . تیری پرواز میں
حائل ہونے والی برگِ گُل کی نازک پتیاں شگفتہ ہو کر رہ جائیں،
. . . . اور . . . .
تُو . . . . میری موجوں میں سما کر اس خودرو جنگل
کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک دوڑ جائے ! "

مطبوعہ جریدہ "اصلاح" لدھیانہ (۲ر نومبر ۱۹۲۹ء)

مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ (۵ر اگست ۱۹۳۲ء)



ڈھونڈنے والی کی پکار

(کھوئے ہوئے ساتھیوں کی تلاش میں)

"ماسک" (Masque) انگریزی میں ایک ایسے تماشے کو کہتے ہیں جس میں مکالمہ اور موسیقی کے علاوہ حرکات اور دھوم دھام کی چاشنی ہو، اس قسم کا ایک کھیل ۱۶۳۴ء میں لڈلو کاسل (امروپ شائر) کے مقام پر جان ملٹن کی ایک تصنیف "کومس" کو عملی شکل میں پیش کرتے ہوئے ارل آف برج واٹر (لارڈ پریذیڈنٹ آف ویلز) کے اعزاز میں دکھلایا گیا، اور "لیڈی" کا پارٹ ایک چودہ برس کی دوشیزہ الائس اجرٹن نے ادا کیا، ذیل کا منثور ترانہ اُس کے پارٹ کا ایک حسین جزو تھا،

لطیفی

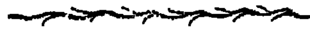
گلہائے بنفشہ کے نقش ونگار سے آراستہ وادی میں جہاں ہجر کی ماری، جوگن بلبل، رات کے سناٹے میں اپنی درد بھری لے سے ایک غمناک گیت گاتی ہے، پیچ وخم کھاتی ہوئی، آہستہ خرام، ندی کے سبزپوش کنارے کے نزدیک، ہوا کی باریک تہوں سے محمل

میں پناہ لینے والی، پرستان کی ساری پریوں سے پیاری، رسیلی گونج! کیا تو مجھے راستہ بھول جانے والے دو معصوم کمسنوں کا پتہ دے سکتی ہے، جو ہو بہو تیرے محبوب "نرگس" کی طرح نرم و نازک

لے صدائے بازگشت' کی آفرینش کی نسبت یونانیوں اور اہل اطالیہ کے قدیم دیوتاؤں کے افسانوں میں دو قصے رائج ہیں، ایک تو یہ ہے کہ صدائے بازگشت پہلے ایک بن دیوی تھی جس نے اووڈ شاعر کے بیان کے مطابق اپنی کبھی نہ ختم ہونے والی گفتگو سے دیوتاؤں کے بادشاہ جوپیٹر (برہسپت) کو اس قابل کیا، کہ وہ اپنی بیوی جونو کو دھوکا دے سکے، جونو نے اس کو سزا کے طور پر ایسی ہستی میں تبدیل کر دیا جس کو اپنی زبان پر کوئی اختیار نہ ہو، یعنی نہ تو وہ خاموش ہو سکے جب کوئی اور تقریر ختم کر چکا ہو، اور نہ وہ بول سکنے کے قابل ہو، جب تک کوئی اور ہمکلام نہ ہو، ایسی حالت میں وہ بن دیوی والہانہ انداز سے نرگس پر عاشق ہو گئی، مگر چونکہ اس کے عشق کی پذیرائی نہ ہوئی، وہ غم میں گھل گھل کر تحلیل ہو گئی، یہاں تک کہ اس کی آواز کے سوا اس کے موہوم جسم میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا، ایک دوسرے افسانے کے مطابق صدائے بازگشت سے چرواہوں کے دیوتا پین نے عشق بازی کی تھی، اور چونکہ اس نے پین کی محبت کو ٹھکرا دیا، اس لئے چرواہوں نے اُس کی دھجیاں اُڑا کر فضائے آسمانی میں بکھیر دیں، جو گونج بن کر رہ گئیں" اور بستان" کے مقدمے کے دوران میں حضرت اختر شیرانی کے اس فقرے میں" کون کہہ سکتا ہے کہ .....

ہیں، اگر تو نے ان کو کسی گلپوش گپھا کے کنجِ عنبریں میں چھپا دیا ہے تو للّٰہ
بتلا کہاں؟ اے گویائی کی خوبصورت شہزادی! فضائے آسمانی کی کنواری!
میں تیرے لئے دست بدعا ہوں، کہ تو گنبدِ نیلگوں کی پہنائیوں میں
انگڑائیاں لیتی ہوئی فردوسی بلندیوں کی سمت پرواز کر جائے، اور آسمان
کی تمام ہم آہنگیاں تیری قہقری آواز سے تازہ و شاداب ہو جائیں!

(بقیہ تحتِ متن) یہ گونج یونانی اصنامیات کی گونج کی دیوی سے زیادہ حسین اور نازک
نہیں؟" جس دیوی کا ذکر ہے وہ انہی افسانوں کی بن دیوی ہے،



مطبوعہ جریدہ "مطالعہ" لدھیانہ (۲۹ اپریل ۱۹۳۲ء)

سوادِ شب

(ماخوذ از آر۔ ایل سٹیون سن)

"۱۴۲۹ء کا عالم تھا...... موسم میں یک لخت تبدیلی ہوئی
...... ایک تیز...... شوریدہ سر...... نم سے
لبریز...... ہوا...... شہر کے گرد گھومی اور پژمردہ پتّے گلی کوچوں میں
بکھر گئے...... کہیں کہیں ایک کھڑکی پہلے ہی سے روشن کر دی گئی
تھی...... درونِ خانہ طعام شبینہ پر رنگ رلیاں مناتے ہوئے فوجی
آدمیوں کا شور رہ رہ کر بلند ہوتا، اور ہوا میں جذب ہو کر دور پہنچ جاتا تھا،
یکایک رات طاری ہو گئی...... اوج بام پر انگلستان کا لہراتا
ہُوا پرچم...... اڑتے ہوئے بادلوں کے مقابلے میں ہر لحظہ زیادہ
مدھم اور دُھندلا پڑتا گیا...... آخر آسمان کے تند اور مہیب
آشوب میں طائرِ ابابیل کی مانند ایک سیاہ داغ بن کر رہ گیا۔
...... رات کے نازل ہوتے ہی...... ہوا نے
صعود کیا، اور محراب دار گذرگاہوں میں سائیں سائیں کرنے......
...... اور نگری کے نیچے وادی میں...... درختوں
کی چوٹیوں کے درمیان شور مچانے لگی"

مطبوعہ "لطیفیات" جلد اوّل (ماہ جولائی ۱۹۲۸ء)
مطبوعہ جریدہ "الجامعہ" لدھیانہ (۱۲ اگست ۱۹۳۲ء)

ویلم بروزہ

(Vallombrosa)

ویلم بروزہ ...... فلورنس کا وہ آویزۂ رنگیں .... اطالیہ کا وہ دانۂ رز جس کی شاخ نگاریں کو اپنی شراب حسن کے رسا ہونے کی خبر اس وقت ہوئی، جب اس کی تاک وزنیوں سے سبز پوش پہاڑیوں، شاہ بلوط کے خود رو جنگلوں، اور خطرتی تزئین سے آراستہ سیر گاہوں میں دانتے، ملٹن اور الزبتھ بیرٹ براؤننگ نے گھوم کر نیچر کی چھلکتی ہوئی چھاگل سے جرعہ کشی کرتے ہوئے وہاں کی مصفا ندیوں، سیال بلور سے صاف و شفاف چشموں نشیبی رخساروں اور لہلہاتے ہوئے پودوں، درختوں اور جھاڑیوں کو محاکات شعری سے زندہ جاوید کر دیا ...... سیاح اور مسافر کشاں کشاں آتے رہے اور مقناطیسی مناظر کی دلربائیوں اور فسوں زائیوں کے عمیق تاثرات لئے ہوئے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے خیمے لئے رخصت ہوتے رہے ......

تابستان کی فرصتیں گذارنے اور دلکشا وادیوں اور پرفضا سبزہ زاروں سے دل و دماغ کو تازہ کرنے کا یہ وہ افسانوی مقام ہے جسکے خط قاعدہ پر سے ٹرین کے گزرتے وقت اطالوی مسافر اپنے ہمسفر اجنبیوں کو ہاتھ کے اشارے سے دعوت نظارہ دیتے ہیں اور کسی انگریز شاعر کے اعزاز سیاحت میں نصب کردہ سنگ یادگار کا ایسے لہجے میں ذکر کرتے ہیں کہ رقیق القلب نو وارد شوق و انہماک سے

ساتھ دُور تک پہاڑیوں کے پہلوؤں اور چوٹیوں کا سین دیکھتا چلا جاتا ہے"........ جواںمرگ شیلےؔ کے شعریت ریز ہونٹوں سے، اسی کے گھنے سُنبلستانوں میں جو اب بھی رودِ آرنوؔ کے کناروں پر لانبی سیاہ پلکوں کی طرح جُھکے ہوئے ہیں، ایک جھلملاتی ہوئی شام وہ غیر فانی نغمہ ٹپکا جو " اوڈ ٹو دی ویسٹ وِنڈ" کے نام سے آج بھی مغرب و مشرق سے خراجِ تحسین وصول کر رہا ہے،..... اُس روز صرصرِ غرب جس کی گوارائیِ مزاج عام طور پر بیک وقت نیم گرم نیم سرد نرم اور زندگی بخش ہوتی ہے، غیر معمولی طور پر تیز و تُند تھی اور موسمِ خزاں کی اتفاقی بوندا باندی کے لئے بخارات کا ذخیرہ فراہم کر رہی تھی، جُھٹپٹے میں شاعر کیا دیکھتا ہے، کہ باد و باراں اور ژالہ باری کے مہیب طوفانی آثار ظاہر ہوئے اور مینہ برسنے لگا، اسی اضطراب آثار پس منظر میں شیلےؔ نے ہوائے مغرب سے یُوں آغازِ خطاب کیا:-

" او رام نہ ہونے والی رمیدہ بادِ مغرب! تُو نشرِ خزاں کی ہست کا نفس ہے........ تُو........، کہ

.... جس کے غیر مرئی نفوذِ وجود سے کملائے ہوئے

اُفتادہ پتے یُوں دھکیلے جا رہے ہیں .... جیسے

.... عاملِ ارواح سے رم خوردہ رُوحیں ـــــ"

ا؎ رافمِ الحروف بھی چیتوؤں کے ساتھ ایک بجرے کو کھیتے ہوئے آرنو کی سیر کر چکا ہے ـــــ (ل ب)

. . . .

.... وادیٔ آرنو کی مچلتی ہوئی انگڑائیاں اور ان انگڑائیوں کی شکن
در شکن کشادگیاں (foldings)، نیچے اشجارِ زیتون کی ڈھلانیں
اور ان ڈھلوانوں کی زمردیں قبائیں، بکھرے ہوئے تاک زاروں کے
قہستانی نخلستان، لالہ ہائے رز کی نرم و خنک بہاریں، ان بہاروں
پر گلابی اور لاجوردی بدلیوں کے رنگ برنگ طیلساں اور دھنک
کی رنگیں دھاریاں . . . . بالاتر سطحوں پر
چیسٹ نٹ کے جنگلات، ان جنگلات کی بل کھانے والی زلفیں،
اس سے بھی اوپر نیل گوں اور دھندلے صنوبروں کے بنوں کا سلسلہ
جس کی آخری سرحد ایپی نائن کے فلک بوس کلس سے محوِ سرگوشی
جس کا کنارۂ بعید دور افق کی گہرائیوں میں تحلیل اور اوجھل۔ ——
—— یہ ہے وہ ویلم بروزہ، جہاں تارِ نگاہ سے نشۂ طرب ٹپکتا ہے،
. . . . . . جہاں نبضِ تماشائی میں خونِ صحیح شراب کی طرح
دوڑنے لگتا ہے . . . . یہ ہے "پھولوں کے شہر"
فلورنس کا شاہدرہ، جس کو آج بھی کوئی رند ایک بار دیکھ کر اس کے
سامنے میں آرزوئے مزار کئے بغیر نہیں رہ سکتا!

نوشتہ (۲۷ مئی ۱۹۳۵ء) (غیر مطبوعہ)

م۔ حسن لطیفی طابع ناشر کے زیر اہتمام گیلانی پریس ہسپتال روڈ لاہور میں طبع ہوئی اور شاطو دیکلیلڈ گنج لدھیانہ سے شائع ہوئی۔

قیمت:- ۶ر

ملنے کا پتہ:-

مہتمم شعبۂ تصنیف، شاطو، لدھیانہ (پنجاب)

مطبوعات جدید

"لطیفیات" جلد دوم

اردو میں جدید طرز شاعری کا شاہکار "بالِ جبریل" "کارِ امروز" اور "بادۂ مشرق" کے بعد جدید مشرقی شاعری کا بلند معیار تقریباً ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل گوناگوں لطافتوں کا نادر مرقع جس پر بلند پایہ رسائل نے شاندار ریویو لکھے ہیں قیمت ۔عہ؎

"نظریۂ مہدی" کارل مارکس کی تصنیف "سرمایہ" سے زیادہ انقلاب آفریں "مصلح موعود کے موضوع پر چند بصیرت افروز مقالات کا مجموعہ جس میں آئندہ بارہ سال کے متعلق ایک حیرت انگیز پیش گوئی کی گئی ہے۔ قیمت آٹھ آنے ۸ر

"بگلے بھگت":- ایک سو ایک نشتروں سے بھری ہوئی وہ معرکۃ الآرا نظم جس نے محشرستانِ شہید گنج کے پُرآشوب ایام میں احرار اور صدر احرار کے گنگا جمنی اسرار کو ہمیشہ کیلئے طشت از بام کر دیا قیمت ار

"ہر چہ بادا باد":- آسکر وائلڈ کی دلدادہ جین فرانسکا ریلگی کے بے پناہ قلم کا وہ آتشیں مقالہ جو آرٹستان کے انقلابی ادبیات میں آجتک بےنظیر تصور کیا جاتا ہے مضمون ہذا کی جاذبیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ساغر نظامی نے مجلہ "ایشیا" میرٹھ کے شمارہ "اگست ۳۵ء" میں بطور اقتباس اسکو تمام و کمال نقل کیا ہے۔ قیمت ایک آنہ

ملنے کا پتہ:

ادارہ مطبوعات شاطر، وکفیلڈ گنج۔ لدھیانہ (پنجاب)